بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

نئے دور کے مجددین و مجتہدین کو سب سے زیادہ جس چیز کا دعویٰ ہے وہ "عقلیت" ہے، مگر افسوس کہ ان کی باتوں میں سب سے زیادہ جس چیز کا فقدان پایا جاتا ہے وہ یہی ہے۔ وہ خود اپنی ایک بات کی تردید دوسری بات سے کر جاتے ہیں، اور یہ تک محسوس نہیں کرتے کہ ان کے کلام میں کھلا ہوا تناقض ہے۔ ماہ گذشتہ کے اشارات میں جن مجتہد صاحب کے "وعظ قرآنی" کا ذکر کیا گیا تھا، ان کے اجتہاد کا بھی یہی حال ہے۔ ایک طرف وہ اپنی کتاب "مطالعہ حدیث" میں خود تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نماز کو پابندی وقت کے ساتھ فرض کیا ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (۴: ۱۵) دوسری طرف اپنے وعظ میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ نماز کے لیے منجملہ اور شرائط کے ایک "ضروری شرط" مشاغل دنیاوی سے یکسوئی بھی ہے۔ یہ دونوں باتیں انہوں نے اس اطمینان کے ساتھ فرمائی ہیں کہ ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں، حالانکہ اگر وہ اپنی عقل پر زور دیتے تو ان کو خود معلوم ہو جاتا کہ پابندی وقت کے ساتھ یکسوئی کی شرط لگانا کسی عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ عملی زندگی میں ہمیشہ ان دونوں شرطوں کا ساتھ ساتھ نبھنا تقریباً محال ہے، اور جب یہ دونوں شرطیں ساتھ ساتھ لگائی جائیں گی تو ایک شرط ضرور ساقط ہو جائے گی۔

نماز میں یکسوئی کو ضروری شرط قرار دینے سے ان کا صریح مدعا یہ ہے کہ اگر یکسوئی نہ ہو تو نماز ہی

نہ ہو گی۔ اسی بنا پر انہوں نے ظہر اور مغرب کے اوقات کو ساقط کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ان اوقات میں یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، اس لیے نماز بھی نہیں ہوتی۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر یکسوئی ضروری شرط ہو تو نماز کے لیے سرے سے کوئی وقت مقرر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کہتے ہیں کہ صبح کا وقت یکسوئی کا ہوتا ہے۔ مگر کیا اس مزدور کو بھی صبح کے وقت یکسوئی حاصل ہوتی ہے جسے طلوع آفتاب سے پہلے اپنے کارخانہ میں پہنچ جانا ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ عصر کا وقت یکسوئی کا ہے۔ ممکن ہے کہ ڈپٹی کلکٹروں کے لیے ہو جو چار بجے دفتر سے اٹھ کر گھر پہنچ جاتے ہیں۔ مگر کیا اس دوکاندار کے لیے بھی یہ وقت یکسوئی کا ہوتا ہے جس کے پاس تیسرے پہر کو خریداروں کا ہجوم ہوتا ہو۔ آپ کہتے ہیں کہ عشا کا وقت یکسوئی کا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کے لیے ایسا ہو۔ مگر ریلوے کے اس ملازم سے پوچھیے جو اپنی نائٹ ڈیوٹی پر ہوتا ہے کیا وہ بھی اقرار کرے گا کہ عشا کے وقت اسے یکسوئی میسر آتی ہے؟ نماز تنہا ایک شخص یا اشخاص کے ایک مخصوص گروہ کے لیے تو نہیں ہے۔ نہ اس کے اوقات مقرر کرنے میں محض "صاحب لوگوں" کے نظام الاوقات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یہ تو تمام لوگوں کے لیے ہے، اور تمام لوگوں کے لیے اوقات میں سے کوئی وقت بھی ایسا معین نہیں کیا جا سکتا جس میں سب کو یکسوئی حاصل ہوتی ہو۔

تمام لوگوں کو بھی چھوڑیے۔ ایک شخص ہی کو لے لیجیے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ روزانہ دو یا تین مرتبہ بھی ایک ہی مقرر وقت پر اسے یکسوئی حاصل ہوتی ہے؟ یکسوئی گھڑی کی سوئی کی پابند تو نہیں کہ جہاں سوئی گھوم کر ایک خاص ساعت کے نشان پر پہنچی اور یکسوئی حاصل ہوئی۔ ممکن ہے کہ صبح کا وقت کسی شخص کے لیے عموماً یکسوئی کا ہوتا ہو۔ مگر لازم نہیں کہ ہمیشہ ایسا ہو۔ لہذا آپ کے فتوی کے مطابق جس روز صبح کو اسے یکسوئی نصیب نہ ہو اس روز وہ صبح کی نماز چھوڑ دے۔ اسی طرح عصر اور عشا کے اوقات کی تعیین بھی اگر یکسوئی کے ساتھ مشروط ہو تو شاید کوئی شخص بھی ہمیشہ پابندی کے ساتھ ان اوقات میں نماز نہ پڑھ سکے گا۔ لہذا فتوی اس صورت میں مرتب کرنا پڑے گا کہ ان اوقات میں سے اگر کسی وقت یکسوئی حاصل ہو تو نماز ادا کر لو ورنہ

دوسرے وقت کے لیے اٹھا رکھو۔ یہ لازمی نتیجہ ہے نماز کے لیے یکسوئی کو ضروری شرط قرار دینے کا۔ اور اس شرط کو پورا کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دوسری شرط، یعنی پابندی وقت کی شرط ساقط ہو جائے۔

سوال یہ ہے کہ مجتہد صاحب نے یہ شرط قرآن کی کس آیت سے نکالی ہے؟ قرآن میں کہاں ارشاد ہوا ہے کہ نماز کے لیے یکسوئی اور حضور قلب ضروری ہے؟

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ سے استدلال صحیح نہیں۔ اس لیے کہ خشوع کے معنی یکسوئی کے نہیں، ضراعت کے ہیں۔ یعنی خدا کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل و حقیر و ضعیف و عاجز سمجھنا۔ اور جوارح سے اس کا اظہار بھی کرنا۔ یہ بات یکسوئی کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر انسان دل میں یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ وہ خدا کے سامنے عاجز اور ذلیل ہے، اور اسی اعتقاد کے ساتھ وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو، رکوع میں جھکے اور زمین پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرے، تو بہر حال وہ خاشعین میں داخل ہو گیا، خواہ اسے مشاغل دنیوی سے یکسوئی حاصل ہو یا نہ ہو۔

وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى سے بھی استدلال غلط ہے اس لیے کہ اس حکم سے متصل ہی اس کی غایت بھی بتا دی گئی ہے یعنی حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ "حق گو" صاحب کا استدلال یہ ہے کہ جب شراب حرام نہ ہوئی تھی اس وقت نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی تھی اور اس ممانعت کی اصلی وجہ یہی تھی کہ نشہ کی حالت میں یکسوئی نہیں ہوتی۔ مگر یہ سراسر غلط ہے۔ نشے کی تو سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اس میں یکسوئی (Concentration) خوب ہوتی ہے قرآن کا بھیجنے والا ایسی خلاف واقعہ بات کیسے کہہ سکتا تھا۔ اس نے ممانعت کے ساتھ خود ہی اس کی یہ وجہ بھی بیان کر دی ہے کہ نشہ کی حالت میں تم کو اپنے اوپر قابو نہیں رہتا زبان سے کچھ کا کچھ نکل جاتا ہے، اور تم کو خود خبر نہیں ہوتی کہ تمہاری زبان سے کیا نکل رہا ہے۔ لہٰذا جب تم اس حال میں ہو تو نماز کے قریب بھی نہ پھٹکو۔

اس میں شک نہیں کہ یکسوئی کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے جس قدر زیادہ حضور قلب، انابت اور توجہ الی اللہ کے ساتھ نماز پڑھی جائے گی اسی قدر زیادہ کامل اور بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوگی۔ مگر کسی چیز کا وجہ کمال ہونا اور چیز ہے اور شرط لازم ہونا اور چیز۔ نماز کے لیے جو ارکان مقرر کیے گئے ہیں، اگر ان کو ایمان کے ساتھ اوقات مقررہ میں ادا کر دیا جائے، تو بہر حال نماز ہو جائیگی، خواہ کامل ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ ہم کو صرف اطاعت امر کی تکلیف دی گئی ہے نہ کہ درجۂ کمال کو پہنچنے کی۔ اگر ہم ادائے فرض پر اکتفا نہ کریں، اور خود اپنی دلی رغبت سے کمال کو پہنچنے کی کوشش کریں تو یہ احسان کا درجہ ہے، جس کے لیے مزید ثواب اور انعام ہے۔ لیکن احسان کو ہم پر فرض نہیں کیا گیا، کیونکہ اس کی فرضیت اسلام کو صرف کاملین کے لیے مخصوص کر دیتی، اور عام افراد انسانی جن میں کمال کو پہنچنے کی صلاحیت نہیں ہے، اس سے محروم رہ جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں نماز کی فرضیت پر تو بہت زور دیا گیا ہے، مگر اس کے ساتھ حضور قلب اور مشاغل دنیاوی سے یکسوئی کی شرط نہیں لگائی گئی۔

حق گو صاحب نے اسلام کی نماز کو بھی راہبوں کی عبادت اور جوگیوں کی ریاضت سمجھ لیا ہے، اسی لیے وہ یکسوئی کو نماز کے لیے ضروری شرط قرار دے رہے ہیں جو قریب قریب دھیان اور مراقبہ کی ہم معنی ہے۔ حالانکہ دراصل نماز تارک الدنیا لوگوں کے لیے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کو دنیا کے دھندوں میں پھنسنے اور فطرت کے تمام داعیات پورے کرنے اور دنیوی زندگی کی تمام ذمہ داریاں اپنے سر لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر جناب "حق گو" ذرا غور و فکر سے کام لیتے اور اسلام کی اسپرٹ اور اس کے نظام کی عقلی بنیادوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ مذہب دین کو دنیا سے الگ نہیں کرتا۔ بلکہ دنیاداری کی اس طرح اصلاح کرنا چاہتا ہے کہ وہی عین دینداری بن جائے۔ اس نے نجات کا راستہ دنیا سے باہر نہیں نکالا ہے بلکہ

دنیوی کاروبار کے عین منجدھار میں سے ایک سیدھا راستہ نکالتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہی راستہ تم کو جنت النعیم کی طرف لے جائے گا۔ اس کا اصل الاصول یہ ہے کہ تم دنیا کے تمام کاروبار ایک پورے اور سچے دنیادار کی طرح انجام دو، مگر یہ حقیقت پیش نظر رکھو کہ تمہارا اصلی حاکم خدا ہے۔ اسی کے حکم کی اطاعت تم پر واجب ہے۔ ظاہر اور باطن میں جو کچھ تم کرتے ہو سب کو وہ جانتا ہے، اور ایک دن تم سے تمہاری زندگی کے تمام اعمال کا حساب لینے والا ہے۔ اگر تم نے دنیا میں اس کے احکام کی اطاعت کی، اپنے معاملات میں اس کی حدود کو ملحوظ رکھا، اور اس کے مقرر کیے ہوئے قوانین پر عمل کیا تو اس کی خوشنودی سے سرفراز کیے جاؤ گے ورنہ اس کے غضب میں گرفتار ہوگے یہی سبق ہے جس کو بار بار یاد دلانے کے لیے نماز فرض کی گئی ہے، اور اس کے لیے ایسے اوقات مقرر کیے گئے ہیں جن میں اس تذکیر کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

قرآن کا پہلا ورق کھولتے ہی آپ کو یہ آیت ملتی ہے:

ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (۲:۱)

یہی وہ کتاب ہے جس میں شک ہے ہی نہیں۔ یہ ہدایت ان پرہیزگاروں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو کچھ ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو ہم نے تیری طرف نازل کی ہے اور ان کتابوں پر جو تجھ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اس آیت پر غور کیجیے۔ قرآن کی ہدایت و رہنمائی سے مراد بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ انسان کو دنیا میں فکر و عمل کی صحیح راہ بتاتا ہے، علم کی روشنی دیتا ہے، زاویہ نظر کو سیدھا کر دیتا ہے، اور عمل کا وہ راستہ دکھاتا ہے جو انسان کو اس دنیوی زندگی کے پیچ در پیچ راستوں میں سے سلامتی کے ساتھ گذار کر نجات کی طرف لے جانے والا ہے

مگر یہ راستہ صرف اسی شخص کے لیے کھل سکتا ہے جو غیب پر ایمان لائے، خدا کو مانے، اس کی کتاب کو مانے، یوم آخر کے پیش آنے پر یقین رکھے، نماز پڑھے، اور محض خدا کی خوشنودی کے لیے اپنا وہ مال خرچ کرے جس کو وہ عزیز رکھتا ہے۔ جو شخص ان شرائط کو پورا کرے گا وہی قرآن کی رہنمائی پر چل سکے گا اور وہی کامیاب ہوگا۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

اس سے نماز کی اہمیت سمجھ میں آسکتی ہے۔

نماز ایمان بالغیب کو راسخ کر دیتی ہے۔ وہ ایک ان دیکھے خدا پر ایمان ہی ہے جو ایک شخص کو اپنا آرام، اپنا کام کاج، اپنے فوائد و منافع، سب کچھ چھوڑ کر دن میں کئی دفعہ نماز پڑھنے پر آمادہ کرتا ہے اور اس کو بار بار کھینچ کر مصلے کی طرف لیجاتا ہے۔ ایمان کی تحریک سے نفس کے اس طرح بار بار متاثر ہونے اور اسی کی متابعت میں جوارح کے حرکت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ نفس پر ایمان کا اقتدار مستحکم ہوتا چلا جاتا ہے، اور اس میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ مقتضیات ایمان کے مطابق سیرت کی تشکیل کر سکے۔ درحقیقت نماز ہی ایک ایسا فعل ہے جس میں انسان قولاً و عملاً اسلام کے پورے کریڈ کا اعادہ کرتا ہے۔ تکبیر سے لیکر سلام تک جو کچھ ہے وہ اسی کریڈ کی تکرار ہے۔ خدا پر ایمان، اس کے رسول پر ایمان، اس کی کتابوں پر ایمان، اُس کے یوم الحساب پر ایمان، اس کو حاکم حقیقی سمجھنا، اُس کی خوشنودی کا طلبگار رہنا، اس کے حساب سے ڈرنا، اس کو علیم و خبیر جاننا، یہ سب کچھ نماز میں آجاتا ہے۔ شعور جلی میں نہ سہی، شعور خفی میں تو ضرور یہ سب امور ہر اس شخص کے دل میں راسخ ہوتے ہیں جو نماز کی پابندی کرتا ہے، کیونکہ اگر ذہن ان سے خالی ہو تو انسان نماز کی پابندی کر ہی نہیں سکتا۔

جب یہ عمل اس تکرار و اعادہ سے انسان کے ذہن میں اسلام کے کریڈ کو مستحکم کر دیتا ہے، اور اسی کی متابعت میں جسم کو امتثال امر کا خوگر بناتا ہے، تو اس سے لازمی طور پر انسان کو عملاً اطاعت احکام الٰہی کی

مشق ہوتی چلی جاتی ہے، اس میں فرض شناسی کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے اور اس میں یہ قابلیت بڑھتی جاتی ہے کہ اپنی زندگی کے معاملات میں اسلام کے ڈسپلن کی پابندی کرسکے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص روزانہ صبح کی نیند کا لطف چھوڑ کر نماز کے لیے اٹھے گا محض اس لیے کہ خدا نے اس کو نماز کا حکم دیا ہے، جو شخص ہر روز ظہر اور عصر کے اوقات میں دو مرتبہ اپنے دنیوی مشاغل سے ہاتھ اٹھا کر مصلے کی طرف دوڑے گا، محض اس لیے کہ اس کا ان دیکھا خدا اسے بلا رہا ہے، جو شخص ہمیشہ اپنی شام کی تفریحوں اور دلچسپیوں کو چھوڑ چھاڑ کر نماز کے لیے کھڑا ہوگا، محض اس لیے کہ خدا نے یہ فرض اس پر عائد کیا ہے، جو شخص ہر شب میں معصیت کے مواقع کی طرف جانے کے بجائے اپنے خدا کی طرف جائے گا، محض اس لیے کہ خدا کے حکم کی اطاعت کو وہ اپنا فرض جانتا ہے اس سے یہ امید بھی کی جاسکتی ہے کہ نماز سے فارغ ہوکر جب وہ عملی زندگی کے میدان میں قدم رکھے گا تو اسی ان دیکھے علیم وخبیر معبود کا خوف اس کو خفیہ اور علانیہ گناہوں سے روکیگا، اس کے ہاتھ کو ظلم و تعدی کی طرف بڑھنے سے باز رکھیگا، اسے خدا کے احکام کی اطاعت، اس کے قوانین کی پابندی اور اس کے قائم کردہ حدود کا لحاظ کرنے پر ابھارے گا اور اس میں اتنی قوت پیدا کردے گا کہ نہ آسائش کا خیال اسے ادائے فرض سے روک سکے، نہ دنیوی فوائد کی طمع اس کو حد سے تجاوز کرنے پر آمادہ کرسکے، اور نہ دنیا کی دلچسپیاں اُس کو خدا سے غافل کرسکیں۔ بالفرض اگر نماز سے اس کی اخلاقی تربیت اتنی مکمل نہ ہوسکی تو کم از کم اس کی فرض شناسی اور اطاعت کیشی اور خشیت ہی اس شخص سے تو زیادہ ہی ہوگی جو خدا کی پکار سنتا ہے اور ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ جو خدا کے عاید کیے ہوئے فرض کو اپنی آسایش یا اپنے کاروبار یا اپنی تفریحات کی خاطر بے تکلف چھوڑ دیتا ہے۔

نماز اگر حضور قلب اور کامل توجہ کے ساتھ ہو تو اس کے روحانی فوائد کا پوچھنا ہی کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جس مصلحت عظمیٰ کے لیے اس چیز کو فرض کیا ہے۔ وہ تو یکسوئی کے بغیر بھی محض اوقات مقررہ پر نماز کے ارکان ادا کرلینے سے حاصل ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں یکسوئی اور حضور قلب پر زور دینے کے بجائے

اوقات پابندی پر زور دیا گیا ہے، اور رات کے وقت سکون و اطمینان کی حالت میں جو نماز ادا کی جاتی ہے اس کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی جتنی اس نماز کو دی گئی ہے جو دنیوی کاروبار کے انہماک سے اٹھ کر ادا کی جاتی ہے ارشاد ہے کہ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عموماً عصر کا وقت لیا گیا ہے۔ اور احادیث بھی زیادہ تر اسی کی تائید میں ہیں۔ تمام نمازوں سے الگ اس نماز کی پابندی پر خاص طور سے زور دینے کی وجہ یہی ہے کہ اس نماز کا وقت ایسا ہے جس میں عام طور پر لوگ زیادہ مشغول ہوتے ہیں۔ یہ تخصیص صاف بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری توجہ اتنی پسندیدہ نہیں جتنی یہ ادا پسندیدہ ہے کہ جب اس کی پکار تمہارے کان میں پہنچے تو تم اپنے مشاغل، اپنی دلچسپیاں، اپنے فوائد و منافع سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کی طرف لپکو اور اس کے حکم کی بجا آوری کو ہر اس چیز پر ترجیح دو جو تمہیں عزیز ہو۔ اسی لیے نماز جمعہ کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے کہ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (۶۲ : ۲) جب جمعہ کی نماز کے لیے پکارا جائے تو یادِ خدا کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اپنے کاروبار میں خدا کا فضل تلاش کرو۔

آپ کہتے ہیں کہ دنیوی مشاغل کے اوقات میں نماز بے دلی سے ہوتی ہے۔ دل اپنے کاروبار یا کھیل کود میں پڑا رہتا ہے۔ خدا کی طرف توجہ نہیں ہوتی، بغیر سمجھے بوجھے محض رٹے ہوئے الفاظ زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ اور بلا ارادہ چند جسمانی حرکات سرزد ہو جاتی ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہی نماز بڑی قیمت رکھتی ہے جو شخص اپنے کاروبار یا اپنی تفریح سے اتنی دلچسپی رکھتا ہے کہ اس سے ہٹنے کے بعد بھی اس کا دل وہیں پڑا رہتا ہے وہ تو اپنے خدا کے لیے بڑی قربانی کرتا ہے کہ اپنی ایسی دلچسپی میں بھی اس کا حکم یاد کرتا ہے اس کے فرمان کی

بجا آوری کے لیے اپنا مرغوب کام چھوڑ کر اٹھتا ہے۔ اپنی توجہ کو اس پسندِ خاطر چیز سے خدا کی طرف پھیر دیتا ہے اور با دلِ ناخواستہ ہی سہی مگر دل پر جبر کر کے خدا کا ذکر تو کرتا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک اس ایثار، اس اطاعتِ امر، اور اس فرض شناسی کی کوئی قیمت ہی نہیں؟ کیا یہ شخص اپنے خدا کی آزمائش میں پورا نہیں اترا؟ کیا اس نے ضبطِ نفس، اور خدا ترسی کا ثبوت نہیں دیا؟ کیا اس نے اپنے عمل سے ثابت نہیں کر دیا کہ اس میں فرض کی خاطر اپنے مرغوبات کو قربان کر دینے کی قوت موجود ہے؟ اگر وہ ان ایمانی اور اخلاقی صفات کا مالک نہ تھا تو کیا چیز تھی جو اس کو اپنے فائدہ بخش یا دل پسند کام سے نماز کی طرف کھینچ لائی؟ یہاں بجز اطاعتِ امر اور خوفِ خدا کے اور کیا منفعت یا دلچسپی ہے؟

افسوس ہے کہ اسلام کے ایسے ایسے اہم مسائل اور احکام پر آج وہ لوگ اپنے اجتہاد کی قینچیاں چلا رہے ہیں جن میں نہ اتنی علمی و عقلی استعداد ہے کہ اسرارِ دین تو درکنار اس کے مبادی ہی کو سمجھ سکیں، نہ اتنا خوفِ خدا ہے کہ مہماتِ دینی پر اپنے سطحی اور جاہلانہ اجتہادات کی اشاعت سے ہزاروں مسلمانوں کے اعتقاد و عمل کو خراب کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے ڈریں، نہ اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ علم و فہم کا جھوٹا پندار چھوڑ کر جو کچھ نہ جانتے ہوں اس کو جاننے والوں سے پوچھیں اور جو کچھ نہ سمجھتے ہوں اس کو سمجھنے والوں سے سمجھیں۔ مسلمانوں کی کیسی شامت ہے کہ آج اس حیثیت کے لوگ ان کی مذہبی رہنمائی کرنے کے لیے اٹھنے کی جرأت کرتے ہیں۔